Al-Abṣār (Research Journal of Fiqh & Islamic Studies)
ISSN: 2958-9150 (Print) 2958-9169 (Online)
Published by: Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur.
Volume 04, Issue 01, January - June 2025, PP: 43-60
DOI: https://doi.org/10.52461/al-abr.v2i2.2427
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/al-absar/about

وحدتِ امت میں تعلیمی اداروں (سکول، کالج اور یونیورسٹی) کے طلبہ کی مسلکی ہم آہنگی کا کردار (سیرت النبی ﷺ سے مستفاد اسباق کی روشنی میں)

The Role of Sectarian Harmony Among Students in Educational Institutions (Schools, Colleges, and Universities) in Achieving Unity of the Ummah In the Light of Lessons Derived from the Seerah of the Prophet ﷺ

Saba Ghaffar
Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore.
sabaghaffar171994@gmail.com

Tumazir Fatima
Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore.
tumazirfatima0@gmail.com

Abstract

Unity is a fundamental element in the formation of an Islamic welfare society. When the individuals of a society are united and religious and sectarian harmony exists, the society flourishes. One of the major issues in Pakistani society is sectarian disharmony (sectarianism), which has severely undermined unity. The root causes of this issue lie in misunderstandings, misconceptions, and ignorance about other sects and religious groups. These causes are deeply linked to social and political structures.
Students are the architects of the future, as the nation's and the community's leadership will ultimately be in their hands. The youth are trained on the right path is the one that progresses. To achieve the goal of unity in the Ummah, it is essential to ensure that students are not influenced by sectarianism. Their thinking should embody the spirit of unity and harmony. If this is instilled at the level of schools, colleges, and universities, there is no reason why the dream of national and communal unity cannot be realised.

All Rights Reserved © 2022 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

This paper aims to examine how students in educational institutions can promote sectarian harmony among their peers and within society. It will explore to what extent students are inclined towards sectarian affiliations, whether sectarian and ideological associations are causing distance and hostility among them, and whether such groups exist in educational institutions based on sectarian lines. It will also assess whether students take these groups seriously, what impact religious disharmony has on students' education and thought processes, and what lessons and points can be drawn from the Seerah of the Prophet ﷺ to promote sectarian harmony and unity among students.

Keywords: *Educational Institutions, Unity of the Ummah, Sectarian Harmony, School, College, University, Seerah of the Prophet ﷺ.*

1 تمہید

انسانی فرد دینِ اسلام کا ابتدائی اور حقیقی مخاطب ہے، جس طرح وہ تنہا پیدا ہوا ہے اسی طرح اللہ کے احکام و مرضیات پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب بنانا بھی اسی کی اپنی انفرادی ذمہ داری ہے اور کل اس کے حضور اپنے عمل کی جواب دہی کیلئے اسے اکیلے ہی حاضر ہونا بھی ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ راستہ جو انسان کو کامیابی کی منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، وہ انفرادیت نہیں بلکہ ایک منظم اجتماعی زندگی کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ قرآن مجید اس "راستے" کو متعین کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ "اے ایمان والو! تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور الگ الگ نہ رہو۔"[1] "الگ الگ نہ رہو" یعنی باہم جڑے ہوئے رہو۔ یہ 'الگ الگ نہ رہنا" اور باہم جڑے رہنا، کس طرح کا اور کس معیار کا ہونا چاہئے، اس کی وضاحت کیلئے صاحب قرآن ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ، مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ۔))[2]

"تم لوگ جماعت کو لازم پکڑو اور پارٹی بندی سے بچو، کیونکہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ رہتا ہے، دو کے ساتھ اس کا رہنا نسبتاً زیادہ دور کی بات ہے، جو شخص جنت کے درمیانی حصہ میں جانا چاہتا ہو وہ جماعت سے لازمی طور پر جڑا رہے"

ایک اور جگہ ارشادِ نبی رحمت ﷺ ہے:

((يَدُ اللَّهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ))[3] "اللہ کا ہاتھ (یعنی اس کی مدد و نصرت) جماعت کے ساتھ ہوتا ہے"

وحدت و یگانگت سے کام کرنے کی اہمیت اور مقام بتانے کے لئے اسلام نے اس حد تک پابندی کرنے کا کہا ہے کہ اگر تین آدمی بھی

کسی سفر پر روانہ ہوں تو وہ اپنے میں سے کسی کو اپنا امام ور ہبر ضرور بنالیں۔ تاکہ معاملات میں اتفاق رہے اور انتشار کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ)) (4)

"جب تین افراد بھی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں"

اس ارشاد نبوی کی مصلحت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر ان کا امیر موجود نہ ہو تو ہر ایک اپنی رائے پر اصرار کرے گا اور اس سے اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ گویا وحدت اور ترتیب و قانون کے بغیر تین آدمی بھی نہیں رہ سکتے۔ یہ اس بات کی تربیت تھی کہ مسلمانوں کے مزاج میں وحدت و ہم آہنگی سے ہر کام کرنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ اس تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے مزاج میں اتحاد و اتفاق اور ترتیب و انتظام کی روح شامل ہو گئی۔ جس نے آگے چل کر ان کی دینی و دنیاوی ترقی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

تعلیمی ادارے (اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز) ہمارے وہ سماجی ادارے ہیں جن پر افراد معاشرہ کی تعلیم و تربیت کا اکثریتی بوجھ ہے۔ یہ تعلیمی مراکز صدیوں سے اس علمی روایت کے امین رہے ہیں، جن سے نہ صرف علوم ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے آئے ہیں بلکہ یہ نظامِ مملکت و حکومت چلانے کے لیے رجالِ کار بھی فراہم کرتے رہے ہیں۔

1.1 وحدت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

وحدت کا مادہ و، ح، د ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے دو چیزوں کا ایک ہونا۔[5] اسی سے اتحاد کا لفظ نکلا ہے جو اس کا ہم معنی ہے۔ کہا جاتا ہے اتحد الشيي بالشيي یعنی ایک چیز کا دوسری سے ملنا اور جڑنا، اتحد القوم کا معنی ہے لوگوں کا متفق ہونا[6]۔ معجم اللغۃ العربیہ المعاصرہ میں تحریر ہے:

اتَّحدَ/ اتَّحدَ بـ يتَّحد، اتِّحَادًا، فهو مُتَّحِد، والمفعول مُتَّحَد به (7) • اتَّحد الشَّخصُ: انفرد.• اتَّحدت الأشياءُ: اندمجت، صارت شيئًا واحدًا "اتّحدت الخيوطُ: صارت خيطًا واحدًا".• اتَّحد القومُ: اتّفقوا أو انضمّوا إلى وحدة يجمعهم فيها نوع العمل أو الخطّ السّياسيّ والاجتماعيّ والاقتصاديّ "اتحدَتْ الآراء- اتّحاد العمّال/ المحامين- اتّحدوا ضدّ العدُوّ- في الاتّحاد قوّة".• اتَّحد بفلان: اجتمع به.(8)

گویا اس کے معانی میں معنیٰ ایک ہونا، ایک رہنا، ایک مقصد و مذہب میں ایک گروہ کا اشتراک، مجموعی مقاصد میں تمام اقوام کا اشتراک شامل ہیں۔

اصطلاح میں لفظ وحدت دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ایک (یکجا) ہونے میں استعمال ہوتا ہے۔(9)

اہلِ لغت اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"وحدت سے مراد یہ ہے کہ چند چیزیں اپنی ذاتی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے (بنا کسی کمی وزیادتی کے) آپس میں ایک ہو جائیں۔"(10)

صاحب المعجم الوسیط بیان کرتے ہیں کہ وحدت سے مراد ملت، امت، شہریوں اور ملکی لوگوں کا آپس میں اجتماعی صورت میں مربوط ہونا ہے۔(11)

گویا درحقیقت وحدت کے معنی ہیں کہ دو آدمی یا دو گروہ یا دو مملکت یگانگت و اتحاد میں اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ دوسرے کے فائدے کو اپنا فائدہ سمجھیں اور دوسرے کے ضرر اور نقصان کو اپنا ضرر و نقصان جانیں اور جس طرح اپنے حقوق کا دفاع کرتے ہیں اسی طرح دوسروں کے حقوق کا دفاع کریں۔ انگریزی لغت میں وحدت کے لیے لفظ unity استعمال کیا جاتا ہے:

Unity is a State of being one, oneness. Unite: To put together so as to make one, to join(12). It is the fact, quality, or condition of being comprising, or oness, singles(13)

پس وحدت کے لغوی و اصطلاحی مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد قوموں کا یکجا ہو جانا، انسانوں کا باہمی تعاون۔ آپس کے انتشار اور فساد کو مٹا کر کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے اکٹھے ہو جانا۔ گویا اتحاد و اتفاق کو آپس کے مفاد اور اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے متحد اور ایک رائے پر متفق ہونے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

2 پاکستان میں مکاتب فکر

اسلامی دنیا میں بہت سے مسالک اور فقہی مذاہب ہیں، جیسے فقہ مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی۔ اس کے بعد فقہ حنفی میں دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کی مزید تقسیم ہے۔ اہل تشیع مکتب فکر میں بھی بہت سی تقسیمات موجود ہیں۔ قیامِ پاکستان سے ہی وطنِ عزیز میں مختلف مکاتبِ فکر موجود تھے۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی: "ہمارے ملک میں بالفعل صرف تین فرقے پائے جاتے ہیں۔

1۔ حنفی (جو دیوبندیوں اور بریلویوں میں تقسیم ہونے کے باوجود (فقہ حنفی پر) متفق ہیں۔) 2۔ اہل حدیث 3۔ شیعہ "14

پاکستان کے قیام کے ابتدائی دور میں بین المسالک اختلافات کے باوجود مذہبی رواداری تھی اور باہمی ادب و احترام کا رشتہ استوار تھا۔ ہر مکتبِ فکر اپنے دائرے میں محدود تھا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں جب سیاسی مقاصد کی خاطر ان اختلافات کو ہوا دی گئی تو ان اختلافات میں عصبیت اور تشدد غالب ہو گیا جس نے آگے چل کر فرقہ ورایت کا روپ اختیار کر لیا۔ عوام کو معلوم ہی نہ ہوا کہ یہ سب اختلافات ایسے

نہیں ہیں کہ جن کی بنیاد پر تکفیر کی جائے۔ان اختلافات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حامد کمال الدین اپنے مقالے "فرقہ واریت ہے کیا"؟میں لکھتے ہیں:

"علماء وفقہائے اُمت کی غالب ترین اکثریت بشمول حنفی،مالکی،شافعی، حنبلی،ظاہری اور اہل حدیث وغیرہ وغیرہ ایسے فقہی مسالک کو فرقہ ناجیہ میں شمار کرتی آئی ہے۔یہ کئی فرقے نہیں دراصل ایک ہی فرقہ ہے اور ان سب کا ایک سے علمی اور شرعی مصادر میں اتفاق ہے۔علماء وفقہائے امت کے ہاں صدیوں تک یہ اعتبار قائم رہاہے۔عقیدہ کی کوئی بڑی خرابی نہ ہو تو یہ فقہی مذاہب اُمت کے معتبر مذاہب ہیں اور فقہی اختلاف کے باوجود یہ ایک جماعت ہیں اور سب کے سب اہلِ سنت والجماعت کی ذیل میں آتے ہیں۔ان کا اختلاف وہ اختلاف ہے جس کی عمومی معنی میں علمائے اُمت کے ہاں گنجائش جانی گئی ہے۔بنیادی طور پر یہ نصوص کے فہم اور ترجیح اور استقصاء میں ہونے والا اختلاف ہے۔اجتہادی مسائل میں ہونے والا اختلاف ہے۔یہ 'اختلاف مذموم' نہیں بلکہ اصطلاحی طور پر یہ 'اختلاف سائغ' ہے"[15]

3 طلبہ میں مسلکی ہم آہنگی کی اہمیت

اسلام اتحاد واتفاق،اخوت ومساوات اور تعاون وہمدردی کا درس دیتا ہے۔اسلام کی واضح تعلیمات کے باوجود مسلم اُمّہ فرقہ واریت کے مسائل سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکی۔یقیناً فکرِ مخالف سے عدمِ واقفیت، آدابِ اختلاف سے ناآشنائی، غلو،تعصُّب اور عدمِ برداشت ہی فرقہ واریت کے بنیادی اسباب ہیں۔فکر مندی میں اضافہ کرنے والا امر یہ ہے کہ پاکستان میں فرقہ واریت کا محض مذہبی پہلو ہی نہیں بلکہ اس کے بہت سے لسانی،علاقائی اور سیاسی پہلو بھی ہیں۔معاشرے میں موجود اس تقسیم نے امن کو تباہ کر دیا ہے۔قتل وغارت،اغواء،الزام تراشی،دھمکیاں اور خوف وہراس پیدا کرنے کے دیگر ذرائع نے ساری حکومتی مشینری کو ناکام کر دیا ہے۔ہر گروہ اور طبقے نے اپنی الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنارکھی ہے، فقہی واجتہادی اختلاف سے بات آگے نکل کر گالی، گولی، بارود اور قاتلانہ حملے تک جا پہنچی ہے۔خوف،دہشت،بے یقینی اور عدمِ اعتماد کے اس ماحول میں امن،بھائی چارے اور باہمی تعاون کو تلاش کرنا مشکل ہو چکا ہے،فرقہ واریت نے ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کو بحران اور بھونچال سے دوچار کر دیا ہے۔یہ ایک ایسا چیلنج ہے جس کی ذمہ داری مذہبی طبقے پر ہی ڈالنا حقیقت سے انحراف ہے۔اس تباہی میں حکومت،بیوروکریسی اور دیگر فیصلہ ساز اداروں کا برابر کا کردار ہے۔ملک میں امن کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو ختم کیا جائے۔اس ضمن میں

حکومتی وسیاسی سطح پر اقدامات کرنا ضروری ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تدریس میں اعتدال و توازن کے عناصر کو داخل کیا جائے، متعصبانہ لٹریچر کو تلف کیا جائے، عصری تعلیم کے لئے قائم جامعات کے مفاہمتی کردار کو وسعت دی جائے، بین المسالک علمی و سماجی روابط کو بڑھایا جائے، مسلم ممالک کے فرقہ بندی پر مبنی باہمی تناؤ کو ختم کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں، مذہبی و فقہی مشترکات کو فروغ دیا جائے، اختلافات کو عوام الناس میں زیرِ بحث لانے سے گریز کیا جائے، آزادیٔ رائے اور اس کی حدود کا لحاظ رکھا جائے، اختلاف رائے کے اظہار کو اُصول وآداب سے مشروط کیا جائے اور تمام سماجی طبقات کی مربوط معاونت و مشاورت کے حصول کو یقینی بنایا جائے۔

معاشرے کی اصلاح کی خاطر رواداری و ہم آہنگی کو فروغ دینا ضروری ہے۔ قانون کے احترام کے ساتھ ایک دوسرے کی ثقافت اور روایات کا احترام بھی معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ نوجوان نسل کی تربیت کی خاطر تعلیمی ادارے اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ نوجوان نسل میں حس بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ غیر روادار رویئے کو رد کر کے شدت پسندی کی لعنت سے دور رہ سکیں۔

گویا کہ یہ بات اہم ہے کہ وحدت امت کے لئے طلبہ ہر اول دستے کا کام کرسکتے ہیں۔ ان طلبہ نے مستقبل میں مختلف شعبوں میں جانا ہے اور اپنی سوچ اور فکر کے مطابق ملک وملت کی خدمت کرنی ہے، اگر تعلیمی مراحل کے دوران ان کی تربیت مسلکی ہم آہنگی کے حوالے سے ہو جائے تو یہ ملکی اور سماجی سطح پر امن وسلامتی اور وحدت امت کا بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔

4 مسلکی ہم آہنگی میں حائل مختلف اسباب و مسائل

مختلف اسباب کی بنا پر جو مسلکی اختلافات رونما ہوتے ہیں وہ مذموم ہو جاتے ہیں۔ ایسے اسباب تو متعدد ہیں؛ مگر ان کو دو میں منحصر کیا جاسکتا ہے:

(۱) وہ اختلاف جو جہل کی بنا پر ہو (۲) وہ اختلاف جو محض تعصب اور نفس پرستی کی بنا پر ہو۔

جس طرح بُرے اغراض واسباب کی بنا پر اختلاف مذموم ہوتا ہے اسی طرح ایسے امور کی بابت اختلاف بھی مذموم ہو جاتا ہے جو محل اختلاف نہیں ہیں۔ وہ بھی بنیادی طور پر دو ہیں:

(۱) عقائد میں اختلاف، (۲) آیات متشابہات میں اختلاف۔

اختلاف کی یہ ساری انواع مذموم اور قابل اجتناب ہیں؛ کیوں کہ ان میں حق وباطل کا معرکہ ہے اور اللہ نے حق کو واضح کر دیا ہے اب کے خلاف جو بھی ہو گا باطل ہو گا۔ علماء نے ہر دور میں باطل کو للکارا ہے، ان کے چیلنج کو قبول کیا ہے اور اس کے سامنے سینہ سپر

ہو کر کھڑے ہو گئے ہیں، کسی بھی قسم کی مداہنت کو برداشت نہیں کیا۔

لیکن ان سب کے علاوہ ایک نوع فروعی واجتہادی اختلاف کی ہے، یہ اختلاف محمود ہے۔ جس طرح انبیاء کی شریعتیں الگ الگ رہی ہیں، فروعی مسائل میں ہر مجتہد کی رائیں مختلف ہوئی ہیں، کسی کو باطل نہیں کہا جاسکتا، اس قسم کا اختلاف امت کی آسانی کے لیے ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا جملہ بہت ہی وقعت رکھتا ہے:

ما يسرّني لو أن أصحاب محمد لم يختلفوا؛ لأنهم لو لم يختلفوا لم تكن رخصة ([16])

(مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا؛ اس لیے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش ورخصت نہیں رہتی)

صحابہ سے لے کر علمائے امت تک فروعی مسائل میں اختلاف کرتے آئے ہیں، بسا اوقات ایک ہی عالم زمان ومکان کے فرق اور احوال وتقاضے کے بدلنے سے بھی مختلف نظر آتا ہے، امام ابو حنیفہ وصاحبین کے مابین جہاں اختلاف کی اور بھی نوعیتیں ہیں ایک بڑا حصہ اس قسم کے اختلاف کا بھی ہے۔ "اختلاف زمان ومکان" کی ترکیب دراصل اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ امام شافعی کے اقوال جدیدہ وقدیمہ میں تنوع اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف صرف صواب وخطا کا ہے حق اور باطل کا نہیں ہے۔ جس میں صواب کو پہنچنے والا گو ایک ہی ہو گا، مگر اجر کے مستحق دونوں ہی ہوتے ہیں اس کی صراحت ووضاحت حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے۔

4.1 تعلیمی اداروں میں شدت پسندانہ رجحانات

تعلیمی ادارے تعلیم وتربیت اور تزکیہ وتعمیرِ شخصیت کے اہم مراکز ہوا کرتے ہیں۔ سماجی وتہذیبی ارتقاء کا ہر راستہ تعلیمی اداروں سے ہو کر گزرتا ہے۔ علوم وفنون کی تفہیم وتعبیر اور تشکیل جدید کا خوش گوار فریضہ بھی تعلیمی ادارے ہی انجام دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی علمی روایت میں تعلیمی اداروں کا یہ ہمہ جہتی کردار نہایت قابلِ ستائش ہے۔ اس خوبصورت اور صالح تاریخی پسِ منظر کے باوجود گزشتہ چند سالوں سے تعلیمی اداروں کے ماحول میں منفی تبدیلیاں آئی ہیں۔ ان اداروں کی توجہ افکارِ جدید کے مطالعہ وتجزیہ سے ہٹ گئی ہے، بحث ومکالمہ کے آداب نظر انداز کر دیئے گئے ہیں، طبقاتی اور تعصباتی فکر کو فروغ حاصل ہوا ہے، اعتدال وتوازن اور تحمل وبرداشت کا شدید فقدان ہے، اجتہاد اور وسعتِ خیال مفقود ہیں، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے موافق نام نہاد جہادی بیانیے فروغ پا رہے ہیں، دہشت گرد تنظیموں نے تعلیمی اداروں خصوصا جامعات میں اپنے خُفیہ مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ ان

تنظیموں کا لٹریچر جامعات میں دستیاب ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی اشاعت کو تیز کرنے میں جامعات کے اساتذہ اور طلبہ اپنا کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ یوں عسکریت پسندی، شدت پسندی اور اس ضمن میں خفیہ روابط کے بیج کلاس رومز میں بوئے جارہے ہیں۔
مذہبی عدمِ برداشت اور مسلکی عدم آہنگی کا ایک اہم واقعہ عبد الولی خان یونیورسٹی مردان میں پیش آیا جہاں مشال خان نامی طالب علم کو تحقیق و تفتیش کے کسی مرحلہ سے گزارے بغیر شرمناک تشدد کر کے موت کی نیند سُلا دیا گیا۔(17)صوبائی اسمبلی سندھ میں قائدِ حزبِ اختلاف خواجہ اظہار پر عید کی نماز کے فوراً بعد قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس میں بھی جامعات سے وابستہ افراد کے ملوث ہونے کے اشارے ملے ہیں۔(18)ڈاکٹر شکیل اوج جن کا اپنا تعلق ایک عظیم درس گاہ سے تھا اُن کے قتل میں بھی جامعات سے وابستہ افراد اور ان کے قریبی عزیزوں کے نام منظرِ عام پر آئے ہیں۔(19) جامعات میں موجود شدت پسندی کی یہ خوف ناک لہر امن کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، جامعات کا سماج اور ریاستی اداروں کے ساتھ براہِ راست اور ہمہ وقتی تعلق ہوتا ہے۔ سماجی بہتری اور قیامِ امن کے لئے جامعات کے نظام کی تشکیلِ نو اور اس پر گہرا غور و خوض نہایت ضروری ہے۔ جامعات سے متعلق اس علمی، فکری اور عملی چیلنج کی تفہیم پاکستان میں قیامِ امن کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں انتظامیہ ،اساتذہ، طلبہ اور ملازمین کی فکری تربیت اور اُن کے کڑے احتساب کو زیرِ غور لانا ضروری ہے۔

4.2 مذہبی تکثیریت کے اُصول و آداب کا عدمِ شعور

مسلکی ہم آہنگی اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا براہِ راست تعلق کسی ملک کی مذہبی صورتِ حال خصوصاً مذہبی تکثیریت کی اہمیت کے احساس سے ہے۔ دُنیا میں مختلف مذاہب کا وجود ایک حقیقت ہے، مختلف الخیال لوگوں کا ایک جگہ مل کر رہنا خاص آداب کا تقاضا کرتا ہے، ان آداب کی اہمیت اور ان کے اثرات سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ ایک کثیر المذاہب معاشرت میں کس طرح امن کے خواب کو شرمندہ ء تعبیر کیا جاسکتا ہے ،اس سوال کا جواب عالمی اور قومی سطح پر تلاش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اختلافی اُمور میں باہم سنجیدہ مکالمہ کرنا، انسانی مسائل کا مشترکہ حل تلاش کرنا، اخلاقی اقدار کی پاسداری کے لئے مل جُل کر کام کرنا، نفرت کے جذبات کو کم کرنا، دوسرے مذاہب کے بارے میں غیر حقیقی تصویر پیش کرنے سے گریز کرنا، سیاسی حالات کو سب کے لئے قابلِ قبول بنانے کی کوشش کرنا، غلط فہمیوں کو دور کرنا، امن وامان کو بہر صورت قائم رکھنا، باہمی اختلافات کو صُلح کی میز پر حل کرنا، شدت پسندی کو روکنا، بقائے باہم کے اصول پر رواداری کو فروغ دینا، ایک دوسرے کو احترام دینا اور برداشت کی قوت و صلاحیت کو بڑھوتی دینا، یہ مذہبی تکثیریت سے وابستہ ایسے رہنما اُصول و آداب ہیں جن کی مدد سے اقوامِ عالم نے ترقی کی

معراج کو پالیا ہے،اس عالمگیر حقیقت کے برعکس پاکستانی عوام کی ایک بڑی تعداد کثیر المذاہب معاشرت کی سلیقہ مندیوں اور احتیاطوں سے ناواقف ہے۔اس چیز کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی کہ مذہبی اقلیتوں کے ساتھ نامناسب سلوک سے ملک داخلی اور خارجی محاذ پر بدامنی کا شکار ہو سکتا ہے۔اس حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ تعصُّب، تشدد، خود کش حملے، توہین، مذہبی جنونیت اور عدمِ برداشت وہ تباہ کن راستے ہیں جو ہمیں دُنیا میں رُسوا اور بے نام و نشان کر سکتے ہیں۔پاکستان میں موجود بدامنی اور انتشار و فساد کا ایک اہم سبب مذہبی تکثیریت کی حساسیت اور اس کی اہمیت سے بے خبری ہے۔دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں پر حملے کر کے، اُن کے جلوس پر فائرنگ کر کے، اُن کے تہواروں پر خوف کی فضا مسلط کر کے اور اُنہیں سماجی احترام سے محروم کر کے کسی امن اور خوشحالی کا خواب دیکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔قیامِ امن سے متعلق اس اہم چیلنج کی تفہیم بہت ضروری ہے ،ریاستِ پاکستان کے استحکام کا تقاضا ہے کہ مذہبی اقلیتوں کی اہمیت اور ان کے حقوق سے متعلق قومی سطح پر سماجی شعور کی تحریک چلائی جائے اور مختلف سرکاری وغیر سرکاری تنظیمیں اس ضمن میں عوام کی رہنمائی کریں۔

5 دینی مدارس کے علماء کی مسلکی ہم آہنگی پر آراء

دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے اور وہاں تعلیم فراہم کرنے والے اساتذہ وطلبہ دونوں اس سسٹم کا اہم حصہ ہیں۔ان کی تربیت اور عمل مسلکی ہم آہنگی کے لئے رخ متعین کرتا ہے۔سطور ذیل میں مسلکی ہم آہنگی کے حوالے سے ان کی آراء پیش کی جائیں گی۔

5.1 مسلکی تعلیم اور مذہبی خلیج

دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، دین اسلام کا خانقاہی نہیں بلکہ جامع تصور رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں انھوں نے شاملی کے میدان میں باقاعدہ حصہ لیا بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا۔وہ دین اسلام کے دفاع اور اسکی حقانیت کو دلیل سے ثابت کرنے میں بڑی انفرادیت رکھتے تھے۔ایک طرف انھوں نے میدان جنگ میں حصہ لیا تو دوسری جانب عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجی ہندوؤں کی مذہبی یلغار کو روکنے کے لیے تحریر، تقریر اور مکالمے کے میدان میں اترے۔فلسفہ، منطق اور اپنے وسیع علم و حلم کو دین اسلام کا مقدمہ پیش کرنے پر صرف کیا۔آخری عمر میں انگریز عیسائی مشنریوں سے براہ راست مکالمے کے لیے انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھنے کا عزم کیا تھا۔ان کی بتائی ہوئی راہ، سرزمین ہند میں اسلام کے

غلبہ ونفاذ کی راہ تھی۔ مگر ان کی رحلت کے بعد دارالعلوم دیوبند پر فقہ حنفی کے فہم و اظہار کی گرفت مضبوط ہو گئی۔اس طرح دارالعلوم جو اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہمہ پہلو دینی تحریک کا نقطہ آغاز تھا،وہ فقہ حنفی کی بعض جزئیات پر اصرار کی راہ چل نکلا۔اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے پہلو اہل حدیث،بریلوی(حنفی)اور شیعہ مکتب فکر نے مسلکی مدارس قائم کرنے کے لیے پیش رفت کی۔اس طرح مساجد و مکاتب کی ایک قابل لحاظ تعداد وجود میں آئی۔ان مدارس میں دینی تعلیم کی رفعتیں اور وسعتیں تو تھیں ہی مگر مدارس کی ایک خاص تعداد میں اس کے پہلو بہ پہلو باہم گرمی گفتار بھی پیدا ہوئی۔جس کا معتدبہ حصہ پہلے ضد کی شاہراہ پر گامزن ہوا اور اس کے بعد عصبیت کی نامسعود شاہراہ پر چلتا دکھائی دینے لگا،جس نے آگے بڑھ کر کفر سازی کی دلدلی میں بھی قدم رکھ دیا۔ان مدارس سے حاصل ہونے والی وہ قوت،جو آریہ سماجیوں،عیسائی مشنریوں،قادنیوں اور خود مسلمانوں میں ناپختہ کار مغرب زدہ دانش واروں کے فکری حملوں کو روکنے پر صرف ہونا تھی،اس باہمی کشاکش سے اس قوت میں ضعف اور تنظیم میں انتشار پیدا ہونا شروع ہوا۔جس پر اسلام کی متحارب،خارجی اور داخلی قوتوں کو اطمینان حاصل ہوا۔اس المیے کو بعد ازاں تحریک خلافت اور تحریک آزادی پاک وہند نے کسی حد تک کم کیا۔بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ مسلک و مدرسہ کی بنیاد پر رونما ہونے والی مغائرت اور خلیج کو مسلمانوں میں کبھی عوامی سطح پر قبولیت حاصل نہیں ہوئی۔20

5.2 مسلکی کشاکش کے مضمرات

آج امت مسلمہ کو ایک ہمہ گیر یلغار کا سامنا ہے۔منظر یہ ہے کہ جیسے کچھ لوگ اس دہکتی آگ میں اپنی گٹھڑی اٹھائے دوسروں کے گھروں پر انگارے برسانے میں مصروف ہوں۔ہمارے معاشرے میں مسلمان فرزندوں اور بچیوں کا طرز فکر وحیات،مادہ پرست تہذیب کے سانچے میں ڈھل رہا ہے لیکن کچھ مذہبی قائدین صرف اس فکر میں مست ہیں کہ ان کی درس گاہ محفوظ رہے۔انکی چند بزرگ شخصیتیں اور ان سے وابستہ عقیدتیں پروان چڑھتی رہیں۔مگر وہ غور نہیں کرتے کہ آباءپرستی کے اس سیلاب میں مگن رہنے کے نتیجے میں سبھی کچھ بہہ جائے گا۔باہر کا فساد کتنا ہی ہمہ گیر ہو،اسکو کامیابی صرف اس صورت میں ملتی ہے جب اندرونی طور پر خرابی کو پھیلانے والے مل جاتے ہیں۔

اگر ایمانداری اور دلائل کے ساتھ اختلاف اور اپنی حدود تک ہی محدود رہے تو زیادہ تر صورتوں میں مفید ثابت ہوتا ہے۔لیکن کسی معاشرے میں اس سے بڑھ کر نقصان دہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ اس میں جب بھی کسی اختلاف ہو تو وہ "جنگ میں سب کچھ جائز ہے" کا ابلیسی اصول اختیار کر کے فریق مخالف پر جھوٹے الزامات لگائے،سیاسی اختلاف ہو تو اسے وطن کا غدار ٹھہرائے اور مذہبی اختلاف

ہو تو فریق مخالف کے دین وایمان کو تہمت بنا کر رکھ دے۔ اختلاف کا یہ طریقہ اخلاقی اور دینی لحاظ سے سخت معیوب اور بدترین گناہ ہے۔ دوسری اہم چیز اختلاف میں رواداری، ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش اور دوسروں کے حق رائے کو تسلیم کرنا ہے۔ کسی کا اپنی رائے کو حق سمجھنا اور عزیز رکھنا تو ایک فطری بات ہے۔ لیکن رائے رکھنے کے جملہ حقوق اپنے ہی لیے محفوظ کر لینا انفرادیت کا وہ مبالغہ ہے جو اجتماعی زندگی میں کبھی نہیں نبھ سکتا۔ بدقسمتی سے یہ مرض پورے معاشرے میں ایک عمومی وبا کی صورت اختیار کر چکا ہے۔[21]

فقہی مسالک کی تعلیم و تربیت بلاشبہ دینی تعلیم کا ایک نہایت اہم جزو ہے لیکن جس طرح اسے آج بنیاد بنا کر تعلیم کی پوری ترتیب الٹ دی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔[22]

پروفیسر عبدالحمید صدیقیؒ لکھتے ہیں:

> فقہی مسائل میں تفقہ اور تخصص، قرآن و سنت میں گہری بصیرت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن جب فقہ کو قرآن و سنت کو سمجھنے کا واحد ذریعہ بنا لیا جائے تو پھر نقطہ نظر انتہائی محدود ہو جاتا ہے اور الٰہی تعلیمات کے تمام پہلو وضاحت کے ساتھ سامنے نہیں آتے۔ فقہ کی اہمیت وضرورت بہر حال مسلم ہے لیکن دین اسلام میں فقہ کو قرآن و سنت کے برابر مقام دینا ہرگز درست نہیں۔ آخر سوچنے کا مقام ہے کہ پہلے زمانے کے ماہرین علوم اسلامیہ، فقہی اختلاف کے معاملے میں اتنی سختی اور شدت کیوں نہ برتتے تھے جتنی آج کل دیکھنے میں ملتی ہے؟ وجہ اس کی صرف یہی ہے کہ فقہ کو جس انداز سے مدارس میں پڑھایا جارہا ہے اس میں کوئی خامی ہے۔ ان مدارس کو منتہائے مقصود ایک ہونے کے باوجود بہر حال تنگ نظری اور تعصب راہ پا گئے ہیں۔[23]

5.3 مسلکی کھچاؤ کے نتائج

اس وقت معاشرے کے صالح، متین، اور دوراندیش لوگوں کا دکھ اور بھی بڑھ جاتا ہے جب یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ بڑے بڑے متقی لوگ بھی، جو دین کے مصالح سے باخبر ہیں، وہ مخصوص فقہی مسالک میں یقین کو عقیدے اور ایمان کے درجے پر لے آتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ ہوں یا امام حنبلؒ ان کی جلالت شان کو عظمتیں تسلیم، لیکن وہ سب قرآن و سنت کی اطاعت کرنے والے تھے اور انھی سے ہدایت اور روشنی حاصل کرتے تھے۔ انھوں نے یہ کبھی نہیں لکھا یا کہا کہ: ان کی ذات پر "ایمان" لایا اور ان کے افکار کو "حتمی سچائی" مانا جائے۔

ایمانی اور علمی کیفیات کا ذرا بھی شعور رکھنے والا فرد اس مسلکی صف بندی کو دیکھ کر حیرت اور افسوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔جدید تعلیم اور مادی تہذیب نے مسلمانوں کی نسل نو کے ایمان کی چولیں تک ہلا دی ہیں۔

غور کرنے کا پہلو یہ ہے کہ اگر بنفس نفیس نماز پڑھنے سے غفلت ہی ایک مسلم معاشرے کا شعار بن گئی ہے تو پھر آمین بالجھر پر کلامی بحث کرنے کا کیا موقع ہے ؟ اگر نفس مسجد ہی حریفوں کی زد میں ہے اگر دینی تعلیم فی نفسہ، تشدد اور ظلمات پرستی کا سرچشمہ قرار دے کر ایک مخالفانہ یلغار کا نشانہ بنائی جارہی ہے تو یہ بحث کہ کون سی مسجد دیوبندیوں (یا بریلویوں) کی ہے اور کون سی سلفیوں کی ہے صرف خود کشی ہے جب حریف مسجدیں تباہ کریں گے تو وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ یہاں حنفی نماز پڑھتے ہیں یا اہل حدیث (اور شیعہ)۔اگر نماز سے دوری پروان چڑھتی رہی تو اس سے آمین بالجھر کہنے والے بھی متاثر ہوں گے اور آمین بالسر کہنے والے بھی۔

بلاشبہ ،اپنی بزرگ شخصیتوں کا دفاع اور اپنے پسندیدہ مسلک کے حق میں استدلال ایک جائز عمل ہے جس کے کچھ آداب ہیں۔لیکن تحفظ مسلک کے اس شغل میں کئی جگہوں پر افسوس ناک کھیل بھی کھیلا جاتا ہے۔کچھ لوگ اخلاق اور دیانت داری کو بالائے طاق رکھ کر پہلے تو اپنے سے مختلف نقطہ نظر رکھنے والوں کی تحریروں کو مسخ کرتے ہیں،ان سے غلط نتائج نکالتے ہیں،اور ان پر ایسی غلطیوں کا بہتان باندھتے ہیں جو صاحب تحریر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھیں۔حالانکہ دین داری تو جوہرِ اخلاق عالیہ ہے۔رسول ﷺ نے فرمایا:

بعثت لأتمم مكارم الأخلاق (مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے میری بعثت ہوئی ہے)۔لیکن جب عام بیدار مغز اور تعلیم یافتہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اپنے سے مختلف آرا کے حاملین کی آبرو کو خاک میں ملانے سے بھی یہ لوگ نہیں چوکتے تو پھر ان کی نظر میں کسی ایک مسلک کے ماننے والے لوگ نہیں بلکہ تمام ہی دین داروں کی وقعت صفر ہو جاتی ہے۔مگر افسوس کہ ایسا فعل انجام دینے والے لوگ اپنے غرور علم و فہم میں ہمالہ کی چوٹی سے پرے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔[24]

اور جب ان بھلے لوگوں کو نرم سے نرم لفظوں میں اس جانب توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ سخت غصے میں آکر ،اس ناصح پر پل پڑتے ہیں اور بلا تکلف اسے غدار، مشرک،شاتم،بے دین، قبر پرست،ابلیس، لعنتی،وہابی اور نہ جانے کیا کچھ کہہ دیتے ہیں۔وہ خود جانتے ہیں کہ ان القابات و اتہامات کے تیر محض اپنے دفاع اور حملے کے لیے برسائے جارہے ہیں، لیکن ان ارادت مندوں کے ذہنوں میں وہ یہ باتیں ایک حتمی حقیقت کی طرح اتارنے کا نتیجتاً جسد ملی کو نقصان پہنچانے سے بھی نہیں چوکتے۔

5.4 مسلکی تعلیم کے پہلو

مسلکی تعلیم کے مثبت پہلوؤں پر نظر دوڑائیں تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ اس طرح کم از کم ایک فقہ اور مسلک کے ذخیرہ علم پر ارتکاز،اس کے علم کلام میں مہارت اور اس کے فہم دین پر دسترس حاصل ہو جاتی ہے۔اس ضرورت کے لیے متعلقہ حلقے موافق

اور مخالف علمی ماخذ پر گہری اور اختصاصی (Specialized) نظر پیدا کر لیتے ہیں۔ اگر اس میں بے جا تعصب اور نفرت کے جذبات کو کنٹرول کر لیا جائے، تو شاید کلامی اختلاف منفی حوالہ بننے سے رک سکتا ہے۔ یہ خدمت اکابر علماء، ذہین طلبہ اور متوازن نصاب ہی انجام دے سکتے ہیں۔

اس معاملے کو زیر بحث لاتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

"درس نظامی کا ایک خاص مقصد تھا لیکن ہم نے اسے اور مقصد کے لئے اختیار کرنا شروع کر دیا اس کا اسلوب اب یہ بن گیا ہے کہ پہلے طالب علم کا ایک مخصوص ذہن بنایا جاتا ہے مثلا حنفی ذہن، پھر دیوبندی، یا بریلوی، پھر ہلکے یا گاڑھے دیوبندی یا بریلوی۔ اخیر تک خوب پکا کر اب اسے مخصوص عینک لگا دیتے ہیں کہ اس آیت سے قرآن پڑھو اور اس عینک سے حدیث رسول ﷺ کو دیکھو۔ حضور ﷺ کے ارشادات جو ہر چیز سے بنا کر اور ہر چیز پر حاوی ہیں جن کے بعد ہر چیز ختم ہے اور جن سے متعارض ہر رائے منسوخ ہو جاتی ہے مخصوص نظریے یا رائے کے تابع کر دیے جاتے ہیں اور ہمارے نظریے رائے کے تابع کر دیے جاتے ہیں اور ہماری دیوبندیت اور بریلویت کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ انہی کی روشنی میں متعارض احادیث کی تحقیق ہوتی ہے جسے کبھی طالب علم کا ضمیر مطمئن نہیں بھی ہوتا لیکن زبردستی کی تاویل کر کے نعوذ باللہ رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو حنفی، دیوبندی یا بریلوی اہل حدیث اور شیعہ ثابت کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کسی کو یہ الفاظ سخت محسوس معلوم ہوں لیکن افسوس امر واقعہ یہی ہے" [25]

گویا کہ مسلکی تعلیم اس وقت منفی رخ اختیار کر لیتی ہے جب کسی خاص فقہی، تفسیری یا فروعی معاملے کو بے جا انا کا مسئلہ بنا لیا جاتا ہے۔ فرد اپنی پہچان کا حوالہ محض اسی خاص مسلک کو بنا کر مخصوص عصبیت کو اپناتا اور اس حوالے سے کسی دلیل یا اختلاف کو "بے دینی" سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح تو یہ پہلو مریضانہ سوچ کی طرف لے جاتا ہے بعض جگہوں پر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ عالم دوسرے مسلک کے اہل ایمان پر کفر کا فتویٰ لگانے اور فرد اس کی جان تک لینے کے لیے کوئی بوجھ نہیں محسوس کرتا۔

اس چیز نے مسلمانوں کے ایک حصے میں کھچاؤ کی کیفیت پیدا کی ہے۔ اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر بعض شر انگیز عناصر تصادم تک نوبت لے آتے ہیں۔ افسوس کہ دینی مدارس کی ایک تعداد نے اپنے آپ کو قرآن و سنت کا کھلے ذہن سے مطالعہ کرنے کی بجائے، تنگ نظری پر مبنی اور فروعی نوعیت کے مسائل و معاملات سے باندھ لیا۔ جس سے وہ چند سو مساجد کو اپنا مرکز اور چند ہزار لوگوں کو اپنا

مرید محض بنانے میں تو ضرور کامیاب ہوئے مگر دوسری جانب ان کے ہاتھوں امت مسلمہ کے مجموعی مفاد کو نفع پہنچانے کی کوئی کوشش کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔اس حد تک افسوس ناک بات یہ ہے کہ انھیں اس چیز کا قرار واقعی احساس بھی نہیں۔

دیکھا جائے تو انسان زندگی، غیر ہموار معاشی رویوں اور سماجی تعصّبات کی تپش کے باعث ایک عذاب سے گزر رہی ہے۔اس خرابی کا سبب محض مذہب اور مسلکی فرقے ہی نہیں بلکہ نہایت روشن خیال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ عناصر کی ایک بڑی بھاری تعداد اور اس آگ کو بھڑکانے میں مؤثر کردار ادا کر رہی ہے۔جن کے ہاتھ سیکولزم کے نعرے باندھ سکے اور جنھیں نہ جدید سیکولر تعلیم و تربیت ہی کوئی انسانیت سکھا سکی۔

۱۹۶۰ء کی یہ بات ہے جب مدینہ یونیورسٹی کی تاسیس کے لیے دنیا بھر کے چیدہ چیدہ علماء پر مشتمل ایڈوائزری کونسل کے اجلاس ہو رہے تھے۔ایسے ہی اجلاس میں فقہ کی تدریس کا مسلہ زیر بحث آیا اور کسی فیصلے پر پہنچنے میں سخت دشواری پیش آئی۔اس موقع پر (۲۸مئی ۱۹۶۰ء) مولانا مودودی نے اجلاس میں تجویز پیش کی "فقہ اربعہ تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔معہد (ہائی اسکول) میں فقہ اربعہ کی تدریس اس طرح ہو کہ استاد طلبہ کو دلیل اور ترجیح کے بغیر صرف احکام و مسائل پڑھائے۔البتہ جامعہ (یونیورسٹی) میں مسالک اربعہ کو دلائل کے ساتھ پڑھایا جائے۔استاد یہ کوشش کرے کہ طلبہ اندر اجتہادی ذوق پیدا ہو، نیز اگر استاد کسی مسلک کو ترجیح دے تو شاگرد کو بھی اختیار ہو کہ وہ اسے قبول کرے یا نہ کرے۔یعنی شاگرد کا مسلک قبول کر لینے کا پابند نہ ہو۔فقہ اربعہ کی تعلیم ایک ہی حلقے میں ہونی چاہیے تا کہ ایک مسلک رکھنے والا طالب علم دوسرے مسلک سے بھی روشناس ہو تا جائے۔ہر فقہ کے لیے جدا جدا حلقے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔اس تجویز کو ۶ کے مقابلے میں ۱۲ ووٹوں سے قبول کر لیا گیا۔26

گویا کہ اہل دین کے ہاں ان مسائل کا شعور بھی پایا جاتا ہے اور انھیں حل کرنے کی کوششیں بھی کسی نہ کسی درجے ہوتی رہی ہیں۔

ممتاز احمد لکھتے ہیں:

> " حکومتی نظام کے تحت جو تعلیمی ادارے چل رہے ہیں ان میں صدق دل سے دین کی خدمت نہیں ہو رہی۔ظاہر ہے کہ تین چار سورتوں کو یاد کر کے یا ان کا ترجمہ پڑھ کر دینی تعلیم کے سارے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے ہیں اس کے لیے علوم اسلامیہ سے کلی آگاہی ضروری ہے۔کالجوں میں زیادہ سے زیادہ بچوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور یہ کہ نماز وغیرہ کیسے پڑھی جاتی ہے۔لیکن اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسلام کی بنیاد پر امریکہ، روس اور چین کے باطل نظریات کا مقابلہ کر سکیں تو اس کے لیے یہ بات کافی نہیں ہوگی اس کے لئے مسلکی ہم آہنگی کے فروغ کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کا گہرا مطالعہ کرنا ہوگا"[27]

6 مسلکی ہم آہنگی کی حکمت عملی۔ماضی اور حال کے تجربات کی روشنی میں

مولانا زاہد الراشدی نے پاکستان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے اسباب میں دو وجوہات بیان کی ہیں۔

ا۔ کسی مشترکہ قومی یا دینی مسئلہ کے لیے جدوجہد سے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ہم آہنگی کا ماحول پیدا ہوتا ہے مثلاً ناموس رسالت ؐ کا تحفظ، تحریک نظام مصطفیٰؐ۔ نیز اس کی ایک مثال مسئلہ ختم نبوت پر غیر مشروط اتحاد بھی ہے۔

۲۔ مسالک کے درمیان ہم آہنگی اور وحدت کا دوسرا سبب عام طور پر بیرونی دباؤ ہے۔ عالمی دباؤ ہو یا ملک کے اندر سیکولر حلقوں کی طرف سے اس قسم کی کوئی بات سامنے آئے تو ہم متحد ہو جاتے ہیں اور ہمارے مسلکی اختلافات مشترکہ جدوجہد میں رکاوٹ نہیں بن پاتے۔ مدارس کے خلاف دباؤ اور تحفظ ناموس رسالتؐ کے قانون کے خلاف عالمی دباؤ اس کی واضح مثالیں ہیں۔[28]

ان کے خیال میں بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے پہلے مرحلے میں مشترکہ دینی اور قومی مسائل پر جدوجہد کی جائے اور دوسرے مرحلے میں ہر مسلک کی اعلیٰ قیادت نچلی سطح کے کارکنوں اور علماء کرام کی تربیت کا اہتمام کریں اورامت مسلمہ کو درپیش مسائل و مشکلات کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے انہیں اجتماعی جدوجہد، ملی مقاصد اور قومی ضروریات کے لیے محنت پر تیار کریں۔[29]

اب سے کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں قومی وحدت کی جانب عملی قدم اٹھایا گیا تھا۔ اور عصری تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے نصاب میں مسلکی ہم آہنگی اور قومی اہداف کو حاصل کرنے کے لئے قومی کونسل کی "نصاب کمیٹی" نے جو کام شروع کیا تھا وہ حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی روک دیا گیا ہے۔ گزشتہ حکومت میں وزیر مذہبی امور کے مطابق:

"تمام مسالک مشترکات پر جمع ہو جائیں اور اختلافات سے پرہیز کریں۔ انہوں نے کہا کہ مشترکات 98 فیصد جبکہ فروعی مسائل میں اختلافات صرف 2 فیصد ہیں۔ وزیر مذہبی امور کی اس بات سے علماء نے اتفاق کیا"30

مسلکی ہم آہنگی کو عام کرنے کے لئے کئی مسائل درپیش ہیں۔ اگر امت کے وسیع تر مفاد کے لئے تعلیمی ادارے اپنا کردار ادا کریں تو ان مسائل سے نمٹا جا سکتا ہے۔ اب ضرورت اس چیز کی ہے کہ ایک نیا ایک قومی نصاب تیار کیا جائے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھی جائے اور اسے ایک ہی نظام تعلیم کے ذریعے لاگو کیا جائے جس میں تمام موجودہ نظام ہائے تعلیم کی مفید چیزیں شامل ہوں۔ اس نصاب کو پڑھانے والے افراد عمدہ اخلاق کے حامل ہوں جو وحدت امت اور مسلکی ہم آہنگی کا درس دے کر تعلیمی اداروں کے

طلبہ کو وحدت امت کا علمبردار بنا کر وحدت وسالمیت کی لڑی میں پرو دیں۔

7 تجاویز وسفارشات

1. وطن عزیز کی موجودہ صورت حال کے تناظر میں تمام مسالک و مکاتب فکر کے مستند علماء ومشائخ پر مشتمل ایک مسلکی فورم تشکیل دیا جائے جو ایک ایسا جامع نصاب بنائے جو تعلیمی اداروں میں لاگو کیا جائے۔
2. مدارس وعصری تعلیمی اداروں کے طلبہ کے مابین روابط کو فروغ دے کر بین الطلبہ مکالمے کا اہتمام کیا جائے۔
3. تعلیمی اداروں کے اساتذہ مشترکاتِ مسالک پر مبنی ماحول اور فکر کو فروغ دیں تاکہ بین المسالک ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔
4. مُختلف علمی وسماجی طبقات میں مذہبی تکفیریت اور حُب الوطنی کے اُصول و آداب کا شعور بیدار کیا جائے۔
5. مسلکی ہم آہنگی کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے میڈیا، دینی مدارس، کالجز، جامعات، سیاسی جماعتوں اور سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے بھرپور مہم چلائی جائے۔
6. دینی مدارس، اسکولز، کالجز اور جامعات میں انتظامیہ، اساتذہ، طلبہ اور ملازمین کی امن و امان کے حوالے سے خصوصی تربیت کی جائے اور یہاں دہشت گرد تنظیموں کے روابط پر خصوصی نظر رکھی جائے۔
7. ہر قسم کی فرقہ واریت اور لسانی وعلاقائی تعصبات کو ختم کرنے کے لئے قومی ضابطہ ءاخلاق تیار کیا جائے۔

تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم پاکستانی طلبہ کو مسلکی ہم آہنگی کے فوائد اور نقصانات کا شعور و آگاہی دلا کر ہم آہنگ معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی اداروں اور ان کے طلبہ کو خصوصیت سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ افراد امت اور تعلیمی اداروں کے طلبہ کو موجودہ فرقہ واریت کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے ہر سطح پر ملک وملت کی وحدت و مسلکی ہم آہنگی کو فروغ دینا چاہیے تاکہ وطن عزیز اور امتِ مسلمہ کو نقصان سے محفوظ رکھا جا سکے۔

حوالہ جات

[1] آل عمران3: 103

[2] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (210۔ 279ھ)، السنن، بیروت، لبنان : دار الغرب الاسلامی، 1998ء، كتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، رقم الحديث : 2165

[3] ترمذی، محمد بن عیسی ، السنن، كتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، رقم الحديث : 2166

[4] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی(م ۲۷۵ھ)السنن، کتاب الجهاد۔مطبعۃ السعادۃ، مصر1950۔وحمص1970۔ج3ص81(طبع حمص)،2708

[5] لویس معلوف، المنجد فی اللغۃ، المطبعۃ الکاثولیکیۃ، بیروت، 1956، مادہ: الحد☆ زبیدی، تاج العروس، المکتبۃ الحیات، بیروت، ج 2، ص: 526

[6] لویس معلوف، المنجد فی اللغۃ، المطبعۃ الکاثولیکیۃ، بیروت، 1956، مادہ: الحد☆ زبیدی، تاج العروس، المکتبۃ الحیات، بیروت، ج 2، ص: 526

[7] احمد مختار عمر،معجم اللغة العربية المعاصرة،عالم الكتب، قاہرہ، 2008ء، ج3،ص 2409

[8] ایضا ، ج3،ص 2409

[9] علوی مقدم، محمد، "وحدت در قرآن"، مجموعہ مقالات کتاب وحد، بہ نقل از مجلہ الازہر، 1377ھ، ص49

[10] شیخ مفید، "النکت الاعتقادیۃ، دار المفید، بیروت، طبع دوم، 1414ھ، ص29

[11] إبراهيم أنيس-عبدالحليم منتصر-عطية الصوالحي- محمد خلف الله أحمد، المعجم الوسيط، مكتبة الشروق الدولية،2004، ج1، ص1017

[12] Webster's New International Dictionary of English,London:G.Bell &Sons, 1934, vol 2,p: 2781

[13] The Oxford English dictionary,Oxford:Clanrendon press,1989,vol xix,p:81

[14] ابو الاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست**، (لاہور : اسلامک پبلیکیشنز،1947ء)، 514-

[15] کمال الدین، "فرقہ واریت ہے کیا؟ http://www.eeqaz.org/eeqazarticles.aspx?sanid=135&articlename=06Mohid, accessed on 8- 6-19

[16] ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/۷۸

(17) https://www.dawnnews.tv/news/1059006.13-09-2017-12:18AM مشعال خان کا قتل منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا

(18) http://nayekhabar.pk/2017/09/02/183445 خواجہ اظہار الحق پر قاتلانہ حملہ، دھمکیاں لندن سے مل رہی ہیں

(19) https://jang.com.pk/print/371619-todays-print13-09-2017-12:20AM پروفیسر شکیل اوج کے قتل پر اکسانے والے ڈاکٹر کا بیٹا بھی گرفتار

[20] سلیم منصور خالد، دینی مدارس میں تعلیم (کیفیت، مسائل، امکانات)، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد، ص ۲۲۵

[21] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن، جولائی ۱۹۵۵ء

[22] مولانا امین احسن اصلاحی، اسلامی قانون کی تدوین، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص:۱۰۳

[23] دینی مدارس کی اہمیت، ترجمان القرآن

[24] ڈاکٹر فضل الرحمان فریدی، ماہنامہ زندگی نو، انڈیا، جون ۲۰۰۱ء، ص ۳-۱۱

[25] اکیسوی صدی: پاکستان کے تعلیمی تقاضے، ص ۱۱۲

[26] خلیل احمد حامدی مولانا مودودی کا سفر سعودی عرب، ص ۱۴۴، ۱۴۳

[27] ممتاز احمد، دینی مدارس روایت اور تجدید علماء کی نظر میں، ۲۰۱۲ء، ص ۹۵

[28] مولانازاہدالراشدی، ہم آہنگی کی حکمت عملی۔ماضی اور حال کے تجربات کی روشنی میں۔روزنامہ اسلام،لاہور، ۲۴ جنوری، ۲۰۱۵ء

[29] مولانازاہدالراشدی، ہم آہنگی کی حکمت عملی۔ماضی اور حال کے تجربات کی روشنی میں۔روزنامہ اسلام،لاہور، ۲۴ جنوری، ۲۰۱۵ء

http://zahidrashdi.org/438

[30] بین المسالک ہم آہنگی پر مشتمل کتاب تیار کرا کر تمام مدارس میں پڑھائی جائے گی= :

https://www.urdupoint.com/daily/livenews/2016-10-27/news-768636.html Accessed :08-07-2019